سورۃ البقرۃ

آیات ۶۷-۶۸

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیرِ مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیرِ مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیرِ بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲:۵:۱(۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲:۴۳ وَاِذْ قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِہٖۤ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ
تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا ھُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ
بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ ○ قَالُوا ادْعُ لَنَا
رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَاھِیَ ؕ قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ اِنَّھَا
بَقَرَۃٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِکْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَیْنَ ذٰلِکَ ؕ
فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ○

۲:۴۳:۱ اللغــة

[وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ] اس پورے جملے اور اس کے تمام اجزاء (کلمات) کی مکمل وضاحت البقرة: ۵۴ [۲:۳۴:۱(۱)] میں ہو چکی ہے اور الگ الگ "وَ" [۲:۷:۱(۱)] "اِذْ" [۲:۲۲:۱(۱)] "قَالَ" [۲:۲۲:۱(۲)] "موسیٰ" [۲:۳۲:۱(۲)] اور "لقومہ" [۲:۳۴:۱(۱)] میں دیکھئے۔

● اس عبارت کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "اور جب کہا موسیٰؑ نے اپنی قوم کو" جس کی سلیس بامحاورہ صورت ہے "جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا"۔ بعض مترجمین نے احتراماً "کہا" کی بجائے "فرمایا" سے ترجمہ کیا ہے۔ اور بعض نے "اپنی قوم سے" کی بجائے "اپنی قوم کے لوگوں سے" کی صورت میں ذرا وضاحتی ترجمہ کر دیا ہے۔ بعض نے ترجمہ کے شروع میں "اذ" کی ظرفیت کی بنا پر "وہ وقت یاد کرو" (جب) کا اضافہ کیا ہے۔

[اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ] یہ جملہ "اِنَّ" (بے شک) + "اللّٰہ" (اللہ تعالیٰ) + "یَاْمُرُ" (حکم دیتا ہے) + "کُمْ" (تم کو) کا مرکب ہے۔ اس میں فعل "یَاْمُرُ" کا مادہ "ا م ر" اور وزن "یَفْعُلُ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد (اَمَرَ یامُرُ۔ حکم دینا) کے باب اور معنی و استعمال پر البقرة: ۲۷ [۲:۲۰:۱(۵)] میں بات کی جا چکی ہے۔ اس طرح اس عبارت کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "بے شک اللہ حکم دیتا ہے تم کو"۔ بعض نے "اِنَّ" کا ترجمہ لفظ "تحقیق" سے کیا ہے۔ جب کہ بعض نے غالباً اردو محاورے کی بنا پر "اِنَّ" کا ترجمہ نظر انداز کرتے ہوئے ترجمہ صرف "تمہیں اللہ حکم دیتا ہے" یا اسم جلالت (اللہ) کی بجائے فارسی میں مستعمل لفظ "خدا" استعمال کیا ہے یعنی "خدا تمہیں حکم دیتا ہے"۔ بعض نے احتراماً "اللہ فرماتا ہے تم کو" اور "اللہ تم سے فرماتا ہے" کو اختیار کیا ہے۔ بعض نے مزید احترام کے لیے اردو محاورے میں بصیغہ تعظیم (جمع) استعمال کیا ہے یعنی "اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں" کی صورت میں ترجمہ کر دیا ہے اور بعض نے محاورہ اور اختصار کو یوں جمع کر دیا ہے "اللہ کا حکم تم کو یہ ہے"۔ ان تمام تراجم کا مفہوم ایک ہی ہے صرف الفاظ کے انتخاب کا فرق ہے۔

۲:۴۳:۱(۱) [اَنْ تَذْبَحُوْا] اس میں "اَنْ" مصدریہ ناصبہ ہے جس کا اردو ترجمہ "یہ کہ" یا صرف "کہ" ہے۔ اس سے پہلے ایک بار (بِ) محذوف ہے جو سابقہ فعل (اَمَرَ) کے دوسرے مفعول (جس بات کا حکم دیا جائے یعنی "مامور بہ") کے شروع میں لگتی ہے اور اگر وہ بات "اَنْ" سے شروع ہونے والا کوئی جملہ ہو (جیسے یہاں ہے) تو یہ "بار" (ب) محذوف کر دی جاتی ہے "اَنْ" کے معانی و استعمالات پر البقرة: ۲۶ [۲:۱۹:۱(۲)] میں بات ہوئی تھی۔ "تَذْبَحُوْا" کا مادہ "ذ ب ح" اور وزن "تَفْعَلُوْا"

ہے۔ جو دراصل "تَذْبَحُوْنَ" تھا۔ مگر شروع میں "اَنْ" (ناصبہ) لگنے سے منصوب ہو کر اس کا آخری "ن" گر گیا ہے۔

● اس مادہ سے فعل مجرد "ذبَحَ ۔۔۔۔ یَذْبَحُ ذَبْحًا" (باب فتح سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں "۔۔۔۔ کا گلا کاٹ دینا" اور چونکہ اس کا مصدر "ذبح" اردو میں مستعمل ہے لہٰذا اس کا ترجمہ "۔۔۔ کو ذبح کرنا" بھی ہو سکتا ہے۔ ان بنیادی معنوں سے یہ فعل بعض مجازی اور محاوراتی معنوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً "پھاڑنا"، "سوراخ کرنا" یا "گلا گھٹنے کی سی کیفیت پیدا کرنا"۔ یہ فعل متعدی ہے اور اس کا مفعول بنفسہ (بغیر صلہ کے) آتا ہے۔

● قرآن کریم میں یہ فعل صرف اپنے بنیادی معنی (ذبح کرنا۔ گلا کاٹنا) میں ہی استعمال ہوا ہے۔ اور ان معنی کے لیے اس فعل کے مختلف صیغے پانچ جگہ آئے ہیں۔ اور مزید فیہ کے باب تفعیل سے بعض صیغے تین جگہ آئے ہیں اور اس مادہ سے اسم "ذِبْح" (بمعنی قربانی) بھی ایک جگہ (الصافات: ۱۰۷) آیا ہے ان سب پر حسبِ موقع بات ہو گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● اس طرح "اَنْ تذبحوا" کا ترجمہ بنتا ہے "یہ کہ تم ذبح کرو یا گلا کاٹو" اکثر مترجمین نے "اَنْ" کا ترجمہ صرف "کہ" سے کیا ہے جو زیادہ بامحاورہ ہے بیشتر مترجمین نے "تذبحوا" کا ترجمہ "ذبح کرو" سے ہی کیا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ "حلال کرو" کیا ہے جو کہ شرعی اور اصطلاحی ترجمہ ہے کیونکہ "حلال کرنا" سے خاص طریقے پر اور خاص شرائط کے ساتھ "ذبح کرنا" مراد ہوتا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ صرف "کاٹو" سے کیا ہے جو لفظ سے بھی ہٹ کر ہے اور غیر مانوس بھی ہے۔

۲:۴۳:۱(۲) [بَقَرَۃً] کا مادہ "ب ق ر" اور وزن "فَعَلَۃٌ" ہے (عبارت میں یہ لفظ منصوب آیا ہے جس پر "الاعراب" میں بات ہو گی)، اس مادہ سے فعل مجرد "بقَر ۔۔۔۔ یبقُر بَقْرًا" (نصر سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں ۔۔۔۔ کو پھاڑ دینا، چیر دینا" مثلاً کہتے ہیں "بقر البطنَ" (اس نے پیٹ پھاڑ ڈالا)۔ پھر مجازی طور پر "بات کو واضح کرنا"، آگاہی حاصل کرنا، خوب بحث کرنا" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے [اور اسی سے لفظ "الباقِرُ" "بہت زیادہ علم والا" کے معنی میں شیعہ حضرات اپنے پانچویں امام کے لیے بطور لقب یا صفت استعمال کرتے ہیں]۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کا کوئی صیغہ فعل کہیں استعمال نہیں ہوا بلکہ قرآن کریم میں تو صرف یہی لفظ (بقرۃ) یا اس کی جمع "بقرات" یا اس کا اسم جنس "البقر" وغیرہ کل ۹ جگہ آئے ہیں۔

● لفظ "بقرۃ" کی آخری تاء (ۃ) صرف تانیث کے لیے نہیں بلکہ "وحدت" کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی اصل لفظ "بقر" ہے جو گائے اور بھینس کی جنس (Bovine Cattle) کے لیے

استعمال ہوتا ہے (جسے عربی میں "بقریات" بھی کہتے ہیں) یعنی لفظ "بقر" میں گائے بیل بھینس مذکر مؤنث اور جنگلی یا پالتو "سب شامل ہوتے ہیں۔ اس (بقرٌ) پر تائے وحدت (ۃ) لگنے سے اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں "ایک بیل" یا "ایک گائے"۔ اگرچہ عربی زبان میں "بیل" (مذکر) کے لیے ایک الگ لفظ "ثَوْر" استعمال ہوتا ہے جس طرح بھینس کے لیے ایک الگ لفظ "جَامُوس" استعمال ہوتا ہے۔ تاہم گائے (مؤنث) کے لیے لفظ "بقرۃ" بھی مستعمل ہے۔

● اسی بنا پر بعض مترجمین نے یہاں "بقرۃ" کا ترجمہ "بیل" کیا ہے گویا انہوں نے "بَقَرٌ" (اسم جنس برائے گائے بیل) کا ایک فرد (مذکر) مراد لیا ہے۔ اگرچہ اس صورت میں "بقرۃ" سے مراد اس جنس (بقر) کا ایک فرد (مؤنث) بھی مراد لی جا سکتی ہے۔ گویا "بقرۃ" سے مراد "ایک گائے" لینے کی تائید دو باتوں سے ہوتی ہے (۱) ایک تو بقرۃ کی تائے وحدت (ۃ) ماننے سے اس لفظ کا مطلب "ایک بیل" کے ساتھ "ایک گائے" بھی بنتا ہے (۲) دوسرے "بقرۃ" عربی میں عموماً گائے کے لیے استعمال ہوتا ہے کیونکہ بیل کے لیے ایک الگ لفظ "(ثَوْر)" موجود ہے۔ اس کے ساتھ ان آیات میں جن کا مطالعہ ہم نے اب شروع کیا ہے (اور یہ سلسلہ آگے آیت: ۷۱ تک چلے گا) ان میں جو ضمیریں اور بعض دوسرے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان سے بھی (جیسا کہ آگے بیان ہوگا) "گائے" کے معنی کی تائید ہوتی ہے۔ بہرحال زیادہ مترجمین نے اس کا ترجمہ "گائے" ہی کیا ہے۔

[قَالُوْا اَتَتَّخِذُنَا] "قالوا" کا مادہ "ق و ل" اور وزن اصلی "فَعَلُوْا" ہے جس کی اصل شکل "قَوَلُوْا" اور اس میں واقع ہونے والی تعلیل صرفی اور اس فعل مجرد کے معنی وغیرہ پر البقرۃ: ۱۱ [۲:۱۱:۱(۱)] میں بات ہو چکی ہے۔ "قالوا" کا ترجمہ تو ہے "انہوں نے کہا" اور اسی مفہوم کے لیے (اور سیاق قصہ کے اعتبار سے محاورہ کے طور پر) بعض نے "وہ بولے" اختیار کیا ہے۔ بعض نے مزید بامحاورہ بناتے ہوئے "وہ کہنے لگے" سے ترجمہ کیا ہے۔ یہاں "قالوا" کے بعد "لہ" محذوف ہے یعنی "(اس سے) کہنے لگے"

● "اَتَتَّخِذُنَا" کا ابتدائی "اَ" (ھمزہ) استفہامیہ ہے بمعنی "کیا؟، آیا؟" اور "تَتَّخِذُنَا" کی آخری ضمیر منصوب "نا" بمعنی "ہم کو" ہے اور لفظ "تَتَّخِذُ" کا مادہ "ا خ ذ" اور وزن اصلی "تَفْتَعِلُ" ہے یعنی باب افتعال کا صیغہ مضارع ہے جو دراصل "تَأْتَخِذُ" تھا مگر مادہ "اخ ذ" سے صرف اسی باب (افتعال) کے فعل میں "ہمزہ" (فاء کلمہ) کو بھی "ت" میں بدل دیا جاتا ہے (جیسے مثال واوی کے باب افتعال میں "و" کو "ت" میں بدلا جاتا ہے) جس سے یہ صیغہ "تتخذ" بنا ہے اس مادہ سے فعل مجرد کے باب و معنی کے علاوہ اس سے باب افتعال کے فعل (اِتَّخَذَ یَتَّخِذُ = پکڑنا، بنا لینا) کے معنی و استعمال وغیرہ بلکہ اس

فعل کے مادہ میں اختلاف کی بھی مفصل بحث البقرۃ :۵۱ [۲:۳۳:۱(۵)] میں ہو چکی ہے۔

● اس طرح "أتتخذنا" کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "کیا تو پکڑتا / بناتا ہے ہم کو"۔ تاہم اس کا با محاورہ ترجمہ اس سے اگلے لفظ "هُزُوًا" کو ساتھ ملائے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ خیال رہے کہ فعل "اتّخذ یتّخذ" کے دو مفعول ہوتے ہیں۔ یہاں اس کا پہلا مفعول تو ضمیر منصوب "نَا" ہے دوسرا مفعول "هُزُوًا" ہے جو آگے آرہا ہے۔ اس لیے دونوں کو ملا کر ہی ترجمہ مکمل ہوتا ہے۔ اور محاورہ استعمال کرنے کا موقع بھی تب ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے ترجمہ پر ہم اگلے لفظ "هُزُوًا" پر بحث کے بعد بات کریں گے۔

۲:۴۳:۱(۳) [هُزُوًا] کا مادہ "ھ ز ء" اور وزن (بحالت رفع) "فُعُلٌ" ہے۔ اس مہموز اللام ثلاثی مادہ سے فعل مجرد (ھَزِئَ یَھْزَأُ = دل لگی کرنا) کے باب اور استعمال پر البقرۃ:۱۴ [۲:۱۱:۱(۵)] میں بات ہو چکی ہے (لفظ "مستھزؤن" کے ضمن میں)

● زیر مطالعہ لفظ (هُزُوٌ) دراصل تو فعل مجرد "ھَزِئَ یھزَأ" کے مصادر (ھُزْءٌ، ھُزُوٌ، ھَزْءٌ، مَھْزَأَۃٌ وغیرہ) میں سے ایک مصدر ہے۔ اور یہ دراصل "ھُزُءٌ" (آخر پر ہمزہ کے ساتھ) ہے۔ اور ماقبل مضموم ہونے کی وجہ سے "ء" کو "و" میں بدل کر (بھی) بولا اور لکھا جاتا ہے یعنی بصورت "ھُزُوٌ"۔ البتہ یہ صرف قراءۃ حفص عن عاصم میں (اس طرح لکھا اور پڑھا جاتا) ہے اور یہی قراءۃ تمام ایشیائی ممالک اور مصر میں رائج ہے۔ باقی قراءتوں (مثلاً ورش، قالون اور الدوری وغیرہ) میں اسے اصل ہمزہ کے ساتھ ہی لکھا اور پڑھا جاتا ہے یعنی بصورت "ھُزُؤًا"۔ (یہاں "ء" ماقبل مضموم کی وجہ سے "و" کے اوپر (ؤ) لکھا گیا ہے) جس طرح ماقبل مکسور ہونے کی صورت میں ہمزہ "ی" پر لکھا جاتا ہے جیسے اوپر "ھَزِئَ" میں ہے)

● یہ کلمہ (هُزُوًا) اس طرح منصوب صورت میں قرآن کریم کے اندر دس جگہ وارد ہوا ہے۔ اور ہر جگہ اسی طرح فعل "اتّخذ" کے دوسرے مفعول کے طور پر ہی استعمال ہوا ہے۔ اور یہ لفظ (ھُزُوٌ) جو دراصل تو مصدر ہے مگر موقع استعمال کے لحاظ سے یہ عموماً اسم مفعول یعنی "مَھْزُوْءٌ بِہٖ" (جس سے دل لگی کی جائے) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (کسی صلہ کے ساتھ استعمال ہونے والے فعل کے اسم مفعول کے ساتھ بھی وہی صلہ ایک ضمیر کے ساتھ آتا ہے دیکھئے "مغضوب علیھم" کی بحث الفاتحہ: ۷ [۱:۶:۱(۵) میں)]۔ اور مصدری معنی بھی لیے جا سکتے ہیں۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں "تو نے مجھے مذاق سمجھا ہے" یعنی مذاق کی جگہ۔

● اس طرح "أتتخذنا ھزوًا" کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "کیا تو پکڑتا / بناتا ہے ہم کو ٹھٹھا" جس کی

سلیس صورت ہے "کیا تو ہم کو پکڑتا ہے ٹھٹھے میں" یا "کیا تو ہم سے ٹھٹھا کرتا ہے" ۔اسی کو مزید بامحاورہ بنانے کے لیے "کیا تو ہم سے ہنسی کرتا ہے" اور "کیا تم ہم سے ہنسی کرتے ہو" سے بھی ترجمہ کیا گیا ہے اور بعض نے مزید احتراماً اس کا ترجمہ "آپ ہم سے ہنسی کر رہے ہیں کیا ؟" سے کیا ہے ۔اسی طرح بعض نے "ٹھٹھا" اور "ہنسی" کے دوسرے مترادفات استعمال کرتے ہوئے "کیا آپ ہم کو مسخرہ بناتے ہیں" اور کیا تو ہم سے دل لگی کرتا ہے" کی صورت میں بھی ترجمہ کیا ہے ۔ان تمام بامحاورہ تراجم میں "اتخذ یتخذ" کا اصل لفظی ترجمہ "پکڑنا اپنانا" غائب ہو جاتا ہے اور "اتخذہ ھزوًا" کا مصدری ترجمہ "کسی سے ہنسی کرنا / ٹھٹھا کرنا / دل لگی کرنا یا مسخرہ بنانا" بن جاتا ہے جو اردو محاورے کا تقاضا ہے ۔

۱:۴۳:۱(۴) [قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ] "قال" (اس نے کہا) کے مادہ (ق و ل) اور اس سے فعل مجرد کے باب معنی اور تعلیل وغیرہ کے لیے البقرۃ: ۳۰ [۲:۲۲:۱(۱)] کی طرف رجوع کیجئے ۔

"اعوذ باللہ" پر لغوی بحث "استعاذہ" میں ہوئی تھی (الفاتحہ سے پہلے) تاہم چونکہ اس وقت قطعہ بندی (پیراگرافنگ) برائے حوالہ شروع نہیں کی تھی اس لیے آئندہ کسی حوالہ کے لیے ہم یہاں مختصراً اس گزشتہ بحث کا اعادہ کیے دیتے ہیں ۔

● "اَعُوْذُ" کا مادہ "ع و ذ" اور وزن اصلی "اَفْعَلُ" ہے ۔یہ لفظ دراصل "اَعْوُذُ" تھا ۔جس میں متحرک حرف علت (و) کی حرکت (ضمہ ـُـ) اس سے ماقبل ساکن حرف صحیح (ع) کو دے دی جاتی ہے اور اب ماقبل ضمہ (ـُـ) آجانے کے باعث "و" برقرار رہتی ہے اور لفظ "اَعُوْذُ" بنتا ہے ۔اس مادہ سے فعل مجرد "عاذ یعوذ معاذاً (دراصل عَوَذَ یَعْوُذُ مَعْوَذًا) یعنی باب نصر سے آتا ہے اور اس کے معنی ہیں: (کسی سے) اپنی حفاظت طلب کرنا" (کسی کی) پناہ مانگنا یا لینا" یہ فعل متعدی ہے اور اس کا مفعول بنفسہ نہیں بلکہ (فعل کے بعد) باء (ب) کے صلہ کے ساتھ آتا ہے ۔مثلاً کہیں گے "عاذ بہٖ" (اس نے اس سے پناہ طلب کی) "عاذَہٗ" کہنا غلط ہے ۔بلکہ اس مادہ سے مزید کے بعض ابواب (افعال تفعیل اور استفعال) سے آنے والے افعال کے ساتھ بھی "باء" (ب) کا صلہ لگتا ہے ۔جس کی مثالیں آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گی ۔

● اور یہ صلہ (بِ) تو اس مفعول سے پہلے لگتا ہے جس کی پناہ مطلوب ہو مگر جس شخص یا چیز یا برائی وغیرہ کے مقابلے پر یہ حفاظت اور یہ پناہ درکار ہو اس کا ذکر اس (پہلے مفعول) کے بعد اس طرح کیا جاتا ہے کہ (۱) اگر وہ کوئی اسم ہو تو اس سے پہلے "مِنْ" لگتا ہے ۔جیسے "اعوذ باللہِ مِنَ الشیطٰن" میں ہے اور (۲) اگر وہ کسی فعل سے شروع ہونے والا جملہ ہو تو اس فعل سے پہلے "اَنْ" (کہ) لگتا ہے اور دراصل

وہ بھی "مِنْ اَنْ" ہوتا ہے مگر "مِنْ" محذوف کر دیا جاتا ہے اس کی مثال یہی زیرِ مطالعہ آیت ہے۔ جس میں (آگے) "اَنْ" سے شروع ہونے والا ایک جملہ ہے۔

گویا اس فعل کا استعمال یوں ہوتا ہے: "اعوذ بِ (۱) مِنْ (۲) یا اعوذ بِ (۱) "اَنْ" (۲) یعنی" میں پناہ طلب کرتا ہوں (۱) کی (۲) کے مقابلے پر یا (۳) سے بچنے کے لیے۔

یہ لفظ (اعوذ) جو فعل مجرد سے صیغہ مضارع واحد متکلم ہے، قرآن کریم میں سات جگہ آیا ہے اور اسی فعل کے بعض دوسرے صیغے (عذتُ، یعوذُون وغیرہ) اور مصدر "معاذ" اور مزید فیہ کے بعض ابواب سے فعل کے صیغے ۹ جگہ استعمال ہوتے ہیں۔

● اس طرح "اعوذباللّٰہ" کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "میں پناہ لیتا ہوں ساتھ اللّٰہ کے" جس کا سلیس ترجمہ "میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں" کیا گیا ہے اور بعض نے اس کا ترجمہ "خدا مجھ کو اپنی پناہ میں رکھے" یا "خدا مجھے اس سے پناہ میں رکھے" کی صورت میں کیا ہے یہ ترجمہ اردو محاورے میں درست سہی مگر دراصل یہ "اَعاذَنِیَ اللّٰہُ" (بابِ افعال کے فعل) کا ترجمہ لگتا ہے۔ اسی طرح بعض حضرات نے سرے سے جملہ فعلیہ (اور اس کے فعل اور فاعل) کا ترجمہ نظر انداز کرتے ہوئے بامحاورہ اردو ترجمہ صرف "پناہ اللّٰہ کی، پناہ خدا کی، خدا کی پناہ" کی صورت میں کیا ہے ایسے موقع پر اردو محاورے میں "طلب کرتا/مانگتا ہوں" مقدر (Understood) ہوتا ہے۔

[اَنْ اَکُوْنَ] میں "اَنْ" (بمعنی "کہ") تو وہی ہے جو فعل "عاذ یعوذ" کے استعمال میں "مِنْ" کی جگہ آتا ہے اور جس کا ابھی اوپر ذکر ہوا ہے اور یہ بھی دراصل "مِنْ اَنْ" یعنی "اس سے کہ" کے معنی میں ہے۔

● "اَکُوْنَ" کا مادہ "ک و ن" اور وزن اصلی "اَفْعُلُ" ہے جو دراصل "اَکْوُنَ" تھا جو اوپر بیان کردہ اعوذ کی تعلیل کی طرح "واو" کی حرکت "ک" کو دینے سے "اَکُوْنَ" ہو جاتا ہے۔ اس مادہ سے فعل (کان یکون = ہونا) کے باب اور معنی وغیرہ پر البقرہ: ۱۰ [۲:۸:۱(۱۰)] میں بات ہو چکی ہے۔

اس طرح "اَنْ اکونَ" کا ترجمہ بنتا ہے "کہ میں ہوں" یعنی "میں ہو جاؤں" یا "بن جاؤں"۔

۲:۴۳:۱(۵) [مِنَ الْجَاھِلِیْنَ] "مِنْ" تو حرف الجر (بمعنی "میں سے") ہے اور لفظ "الجاھلین" (جو یہاں سمجھانے کے لیے برسم املائی لکھا گیا ہے) کا مادہ "ج ہ ل" اور وزن (لام تعریف نکال کر) "فاعِلِیْنَ" ہے اس مادہ سے فعل مجرد "جہل ... یجھَل جَھْلًا وجَھَالۃً" (سمع سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں: "... کا علم نہ رکھنا، ... کو نہ جاننا، یا ... سے جاہل ہونا"۔ بنیادی طور پر یہ فعل متعدی ہے اور اس کا مفعول بنفسہ بھی آتا ہے اور بعض صلات کے ساتھ بھی۔ مثلاً کہتے ہیں "جھِلَہٗ،

وجہل بہ وجہل مِنہُ" (وہ اس سے بے خبر/ جاہل رہا)۔ ویسے عموماً اس کے ساتھ مفعول مذکور نہیں ہوتا اور اس طرح بلحاظ استعمال یہ فعل لازم کی طرح "جاہل ہونا، نادان ہونا" کے معنی دیتا ہے۔

● گویا فعل "جہِل" ہر طرح "علِمَ" (جاننا) کی ضد (الٹ) ہے۔ اگرچہ عربوں کے کلام میں یہ بعض دفعہ "علِمَ" کی بجائے "حِلمَ" کی ضد کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کی مشہور مثال جاہلی شاعر عمرو بن کلثوم کا یہ شعر ہے ؎ ألاَ لاَیَجْهَلَنْ احدٌ عَلَینا ۔ فنجهَلَ فوقَ جهلِ الجاهلینا" (خبردار ہمارے ساتھ کوئی گنوارپن سے پیش نہ آئے ورنہ ہم گنواروں سے بڑھ کر گنوار ثابت ہوں گے) گویا "جَہِل علی...... کا مطلب ہے "سے بدتمیزی کرنا، ...... کے ساتھ احمقانہ رویہ اختیار کرنا"

● "جَہل" بمعنی "نادانی" (بمقابلہ علم وآگہی) کے بھی بعض اہل لغت (مثلاً راغب) نے تین مدارج یا تین اقسام بیان کی ہیں۔ (۱) مطلقاً علم ہی نہ رکھنا یعنی نادان ہونا (۲) کسی چیز کے بارے میں اس کی حقیقت کے خلاف علم یا اعتقاد رکھنا یعنی الٹی سمجھ رکھنا (۳) کسی چیز کے بارے میں اس کے حق اور حقیقت ہونے کے خلاف عمل کرنا (چاہے اس کے بارے میں علم و اعتقاد درست رکھتا ہو یا غلط) یعنی جاہلانہ رویہ اختیار کرنا۔ اس تقسیم کے لحاظ سے زیرِ مطالعہ آیت میں "جاہلین" سے مراد اس تیسری قسم کے لوگ ہو سکتے ہیں۔

● اور یہی وجہ ہے کہ بعض مترجمین نے "ان اکون من الجاھلین" (جس کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "کہ میں ہو جاؤں جاہلوں/ نادانوں میں سے") کا ترجمہ "کہ میں جہالت والوں کا سا کام کروں" سے کیا ہے جو مفہوم کو واضح کرتا ہے۔ اگرچہ بیشتر حضرات نے الفاظ عبارت کے مطابق "کہ میں جاہلوں/ نادانوں میں سے ہوں" کی صورت میں ہی ترجمہ کیا ہے۔ اور بعض نے اس کا ترجمہ جملہ فعلیہ کی طرح "نادان بنوں، نادان بن جاؤں" سے کیا ہے۔ جس میں "مِن" کا ترجمہ ایک طرح سے نظر انداز ہو گیا ہے۔

● قرآنِ کریم میں اس مادہ (جہل) سے فعل مجرد ہی کے کچھ صیغے (زیادہ تر مضارع) پانچ مقامات پر آئے ہیں مزید فیہ سے کوئی فعل نہیں آیا۔ اس کے علاوہ اس فعل (مجرد) سے بعض مصادر اور مشتقات اور ماخوذ اسماء مختلف صورتوں (واحد جمع نکرہ معرفہ وغیرہ) میں ۱۹ جگہ وارد ہوئے ہیں۔ ان سب کا بیان اپنی اپنی جگہ آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

[قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ] یہ جملہ چار کلمات پر مشتمل ہے یعنی (۱) قالوا (۲) اُدْعُ (۳) لَنَا (۴) ربك ہر ایک پر الگ الگ بات پہلے بھی جزوی طور پر ہو چکی ہے۔ یہاں مختصراً ان کی وضاحت کی جاتی ہے (۱) "قَالُوا" کا مادہ "ق و ل" اور وزن اصلی "فعلوا" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد پر بلکہ خود اسی صیغہ (قالوا) کی بناوٹ اور تعلیل وغیرہ پر البقرہ: ۱۱ [۲:۹:۱(۴)] میں بات ہوئی تھی۔ "قالوا" کا ترجمہ تو ہے

"انہوں نے کہا" مگر یہاں سیاق عبارت اور بیانِ قصہ کی بنا پر اس کا ترجمہ "وہ بولے" اور "وہ کہنے لگے" کی صورت میں کیا گیا ہے۔

(۲) "اُدْعُ" جس کو پڑھتے وقت سابقہ فعل "قالُوا" کی لام مضمومہ (لُ) کو اس لفظ "ادع" کی دال ساکنہ (دْ) سے ملا دیا جاتا ہے اور اس طرح "قالوا" کی واو الجمع اور الف زائدہ کے علاوہ "ادع" کا ابتدائی ہمزۃ الوصل پڑھنے میں نہیں آتے۔ (اگرچہ لکھے رہ جاتے ہیں) اس لفظ (اُدْعُ) کا مادہ "د ع و" اور وزن اصلی "اُفْعُلْ" ہے جو دراصل "اُدْعُوْا" تھا جس میں مجزوم ہونے کے باعث آخری "و" گرا دی جاتی ہے اور باقی "اُدْعُ" رہ جاتا ہے اس مادہ سے فعل مجرد (دعا یدعو۔ پکارنا) کے باب اور معنی وغیرہ پر البقرہ ۲۳ [۲:۱۷:۱(۷)] میں بات ہو چکی ہے۔

● زیرِ مطالعہ لفظ "اُدْعُ" اس فعل مجرد (دعا یدعو) سے فعل امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے۔ اس فعل سے امر حاضر کے چھ صیغوں کی گردان یوں بنتی ہے "ادعُ، ادعُوَا، اُدْعُوْا، اُدْعِیْ (دراصل اُدْعُوِی) اُدْعُوَا اور اُدْعِیْنَ (دراصل اُدْعُوْنَ)۔ اس فعل کے استعمال میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس کے ساتھ "لام" اور "علی" کا صلہ لگنے سے معنی ایک دوسرے کے برعکس ہو جاتے ہیں یعنی "دعا لَہٗ" کا مطلب ہے اُس نے اس کے لیے دعا (خیر) مانگی یا اسے دعا دی" اور "دعا علیہ" کا مطلب ہوتا ہے "اس نے اس کے خلاف دعا کی یعنی اسے بددعا دی"۔

(۳) "لَنَا" جو جار مجرور (لام + نا) ہے اس میں "لام" تو مذکورہ بالا فعل (دعا یدعو) کے صلہ کے طور پر آیا ہے جس سے "دعا لِ ...." میں "... کے لیے دعا کرنا" کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ اور ضمیر مجرور "نا" تو بمعنی "ہمارے" (لیے) ہے۔ اس طرح لنا کا ترجمہ تو ہے "ہمارے لیے / ہمارے واسطے" اور یوں اس فقرے (اُدْعُ لنا) کا ترجمہ بنتا ہے "تو دعا کر ہمارے لیے" یا "پکار ہمارے لیے"۔ اور اسی کو مزید سلیس اور بامحاورہ بنانے کے لیے بعض نے اس کا ترجمہ "آپ درخواست کیجئے ہمارے لیے" اور "ہمارے لیے درخواست کرو" کی صورت میں کیا ہے۔ جب کہ بعض حضرات نے سیاقِ عبارت اور بیانِ قصہ کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ "تو ہمارے لیے پوچھ" اور "ہماری طرف سے التجا کیجئے" کے ساتھ کیا ہے جو مفہوم کے لحاظ سے درست سہی مگر اصل عبارت سے ہٹ کر ہے۔ اس لیے کہ بظاہر "پوچھ" تو "سَلْ" کا اور "ہماری طرف سے" بظاہر "نیابۃً عَنَّا" کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔

(۴) "رَبَّكَ" جو "ربّ" + "كَ" ہے۔ لفظ "ربّ" کی لغوی تشریح الفاتحہ: ۲ [۱:۲:۱(۳)] میں ہو چکی ہے۔ یہاں "رَبَّكَ" (جیسا کہ آگے "الاعراب" میں بیان ہوگا) فعل "ادع لنا" کے مفعول کے طور پر آیا ہے۔

اس لیے اس کا ترجمہ (اس فعل کی مناسبت سے) "اپنے رب سے، اپنے رب کو، اپنے پروردگار سے" اور "اپنے مالک سے" کی صورت میں کیا گیا ہے۔

● مندرجہ بالا وضاحت کے بعد اب آپ اس پورے جملے (قالوا ادع لنا ربك) کا مکمل ترجمہ اور مختلف تراجم کا باہمی موازنہ کر سکتے ہیں۔

۲:۴۳:۱(۶) [یُبَیِّنْ لَنَا] اس کے آخری حصے (لَنَا) پر ابھی اوپر بات ہوئی ہے یعنی اس کا ترجمہ "ہمارے لیے/ واسطے" ہے۔ اور "یُبَیِّنْ" کا مادہ "ب ی ن" اور وزن "یُفَعِّلْ" ہے یعنی یہ اس فعل کی مجزوم صورت ہے (جس کی وجہ "الاعراب" میں بحث ہوگی)

● اس مادہ (بین) سے فعل مجرد باب ضرب سے آتا ہے اور مصدر کے فرق کے ساتھ اس کے بنیادی طور پر دو معنی ہیں (۱) "بَانَ یَبِینُ بَیْنًا" کے معنی ہیں "دور ہو جانا، الگ ہو جانا، جدا ہو جانا" اور اسی سے طلاق کی ایک قسم کے لیے فقہی اصطلاح "بائن" بنی ہے (۲) "بَانَ یبین بیانًا" کے معنی ہیں "واضح ہو جانا اور واضح کر دینا" یعنی یہ لازم متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے کہیں گے "بَانَ الشیئُ" (چیز واضح ہوگئی) دوسرے معنی کے لحاظ سے کہیں گے "بَانَ الشیئَ" (اس نے چیز کو واضح کر دیا)۔ واضح کر دینے والے کو "بائِن" (اسم الفاعل) بھی کہتے ہیں اور "بَیِّنٌ" (اسم صفت) بھی۔ اور اسی سے مؤنث "بَیِّنَة" بنتا ہے۔ جس کے بنیادی معنی تو ہیں "خوب وضاحت کر دینے والی چیز" اور اسی کا ترجمہ "روشن دلیل، واضح ثبوت اور گواہی" کے ساتھ کیا جاتا ہے

● ان کے علاوہ یہ فعل مجرد (بان یبین) بعض دیگر معانی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ تاہم قرآن کریم میں اس سے فعل مجرد کا تو کوئی صیغہ (کسی بھی معنی میں) کہیں نہیں آیا۔ البتہ دوسرے معنی (واضح کر دینا یا ہو جانا) کی بھی متعدی صورت (واضح کرنا) سے ماخوذ کلمہ "بَیِّنٌ" تو صرف ایک جگہ (الکہف ۱۵) آیا ہے مگر اس کا صیغہ مؤنث "بیّنة" مختلف صورتوں (واحد جمع معرفہ نکرہ وغیرہ) میں بکثرت وارد ہوا ہے۔ اور اسی (فعل مجرد) کا ایک مصدر "بَیَانٌ" تین جگہ اور ایک دوسرا مصدر "تبیان" ایک جگہ (النحل: ۸۹) آیا ہے۔ ان تمام کلمات پر اپنے اپنے موقع پر بات ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اسی مادہ سے ماخوذ ایک لفظ "بَیْنَ" (جو ظرف ہے) کے معنی واستعمال پر البقرہ: ۲۶ [۲:۱۹:۱(۵)] میں بات ہوئی تھی۔ ان کے علاوہ اس مادہ سے مزید فیہ کے کچھ افعال بھی قرآن میں آئے ہیں۔

● زیر مطالعہ لفظ "یُبَیِّنْ" اس مادہ (بین) سے باب تفعیل کے فعل مضارع مجزوم کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے (جزم کی وجہ الاعراب میں بیان ہوگی) اس باب (تفعیل) سے اس کے فعل بَیَّنَ یُبَیِّنُ

تَبَیَّنَ کے بھی دو معنی ہیں (۱) واضح کرنا اور (۲) واضح ہونا یعنی یہ فعل بھی ثلاثی مجرد کی طرح لازم متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح "یُبَیِّن لَنَا" کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "وہ واضح کر دے ہمارے لیے"۔ اور اسی کو با محاورہ بنانے کے لیے "بیان کر دے ہمارے واسطے' بیان فرما دے ہم کو" کی صورت دی گئی ہے۔ جب کہ بعض نے "ہم کو بتا دے / بتلائے / بتائے" سے ترجمہ کیا ہے۔ اور بعض نے فعل "بَیَّنَ" میں "واضح کر دینے" والے معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ "ہم کو اچھی طرح سمجھا دے" سے کیا ہے جو بہت عمدہ وضاحتی ترجمہ ہے۔

● اس فعل (بیّن یُبیّن) سے افعال کے مختلف صیغے قرآن کریم میں ۳۲ جگہ آئے ہیں اور اسی فعل سے کچھ مشتقات (اسم الفاعل وغیرہ) بھی ۶ جگہ آئے ہیں۔

[مَا هِيَ] "مَا" استفہامیہ (بمعنی "کیا") اور "هِيَ" ضمیر مرفوع منفصل بمعنی "وہ" (مؤنث) ہے جو یہاں "گائے" کے لیے ہے (اور یہ مؤنث ضمیر بھی "بقرة" کا ترجمہ "بیل" کی بجائے "گائے" کرنے کی تائید کرتی ہے)۔ "مَا هِيَ" کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "وہ کیا ہے ؟" مگر اس میں مفہوم اس گائے کے بارے میں کسی خاص نشانی یا صفت کے بارے میں سوال کا ہے۔ اس لیے بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ "وہ کیسی ہے / کیسی ہو" کے ساتھ کیا ہے۔

[قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ] "قال" اور "یقول" کے مادہ بناوٹ معنی وغیرہ کئی دفعہ بیان ہو چکے ہیں اگر اب بھی ضرورت سمجھیں تو "قال" کے لیے ۲: ۲۲: ۱ اور "یقول" کے لیے ۲: ۷: ۱(۵) دیکھ لیجئے۔ "اِنَّهٗ" کا ترجمہ ہے "بے شک وہ" یوں "قال انہ یقول" کا لفظی ترجمہ بنتا ہے "اس نے کہا بے شک وہ کہتا ہے"۔ بیشتر مترجمین نے غالباً محاورے کو مدنظر رکھتے ہوئے "اِنّ" کو ترجمہ میں نظر انداز کرتے ہوئے ترجمہ "کہا وہ فرماتا ہے" سے کیا ہے۔ اور بعض نے ضمیر کی بجائے فاعل بطور اسم ظاہر ترجمہ کیا ہے یعنی "موسیٰ نے کہا خدا فرماتا ہے" "موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے' موسیٰ نے کہا پروردگار فرماتا ہے" جبکہ بعض نے احتراماً "موسیٰ نے فرمایا" کی صورت میں ترجمہ کیا ہے۔ ظاہر ہے یہ سب تفسیری تراجم ہیں۔

[اِنَّهَا بَقَرَةٌ] "اِنَّهَا" کا ترجمہ "بے شک وہ (مؤنث) ہے اور "بَقَرَة" (گائے) ہے۔ اور یہاں "بقرةٌ" کی تنکیر (نکرہ ہونا) یہاں اسم موصول کے معنی پیدا کرتی ہے یعنی "بَقَرَةٌ" یہاں صرف خبر ہی نہیں بلکہ نکرہ موصوفہ بھی ہے اس کا ترجمہ "ایک ایسی گائے جو کہ . . . . سے ہوگا"۔ یہاں بھی بیشتر مترجمین نے "اِنها" کے ابتدائی حرف مشبہ بالفعل کا ترجمہ (بے شک یقیناً) غالباً محاورے کی وجہ سے ترک کر دیا ہے (یہاں پھر "انھا" کی ضمیر مؤنث "بیل" کی بجائے "گائے" والے معنی

کی تائید کرتی ہے) اور ترجمہ صرف "وہ ایک گائے ہے" جو ٹسے ہی کیا ہے۔ جب کہ بعض حضرات نے "انها بقرة" (جو جملہ ہے) کا ترجمہ صرف مرکب اشاری (تلك البقرة) کی طرح "وہ گائے" سے کر دیا ہے جو بلحاظ محاورہ (اردو) درست مگر اصل عبارت سے ذراہٹ کر ہی ہے۔

۲:۴۳:۱(۷) [لَا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ] میں "لا" تو نفی کے لیے ہے بمعنی "نہ" یا "نہیں ہے" ہے۔ اور "لا" کی تکرار کی وجہ سے دوسرے "ولا" کا ترجمہ "اور نہ ہی" ہوگا۔ یعنی "جو نہ تو فارض ہے اور نہ ہی بکر" ہے اس طرح اس میں تشریح طلب لفظ "فارض" اور "بکر" ہیں۔

● "فارض" کا مادہ "ف ر ض" اور وزن "فاعِلٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد زیادہ تر باب نصر سے ہی مختلف معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً (۱) "فرَض یفرُض فرُوضًا" کے معنی ہیں "کھلا اور وسیع ہونا" اور (۲) فرَض یفرُض فرْضًا" کے معنی ہیں "واجب کرنا" مثلاً کہتے ہیں "فرض الامرَ" (اس نے معاملہ واجب کر دیا)۔ اور جس پر کوئی چیز واجب کی جائے اس سے پہلے "علی" کا صلہ آتا ہے مثلاً کہیں گے "فرضه علیه" (اس نے وہ (چیز) اس پر واجب کر دی) اور لام کے صلہ کے ساتھ "فرض لهٗ کے معنی ہیں" اس کے لیے مقرر کر دیا" (اور اس میں بنیادی مفہوم "کاٹ کر الگ کر لینا" کا ہے)۔ البتہ کبھی "علی" یا "لام (ل)" کے بعد آنے والا مفعول محذوف کر دیا جاتا ہے اور صرف اصل مفعول (بنفسہ) مذکور ہوتا ہے جیسے "وَفرَضْناها" (النور:۱) میں ہے یعنی "ہم نے اس کو واجب کر دیا" (یہاں کس پر واجب کیا؟ مذکور نہیں ہے)۔ اور (۳) فرُض یفرُض فراضةً (کرم سے) اور "فرِض یفرِض فروضًا" (ضرب سے) کے معنی ہیں "جانور کا بڑی عمر والا ہو جانا" یعنی "بوڑھا/ بوڑھی ہو جانا" زیادہ تر یہ لفظ گائے کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں "فرَضتِ البقرةُ" (گائے بوڑھی ہو گئی)۔

● اِس طرح اس فعل سے اسم الفاعل "فارِضٌ" کے معنی ہیں "بوڑھی گائے" جو کئی بچے جن چکی ہو اور اس کا پیٹ کھلا یا بڑا ہو گیا ہو۔ یعنی اس میں مندرجہ بالا پہلے معنی (کھلا اور وسیع ہونا) سے بھی مناسبت ہے۔ الثعالبی نے "فقه اللغة" میں لکھا ہے کہ عربی میں بوڑھی گائے کو "فارِضٌ" اور بوڑھے بیل کو "شَبَبٌ" کہتے ہیں[1] بعض اہل لغت (مثلاً البستان) نے لکھا ہے کہ "فارض" کا لفظ گائے کے علاوہ باقی حیوانات کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ بلکہ یہ لفظ کسی بھی پھیلی ہوئی بڑی (مؤنث) چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً "لِحيَةٌ فارض" سے مراد ہے "بڑی داڑھی"۔ قرآن کریم میں کلمہ "فارض" صرف اسی ایک

---

[1] فقه اللغة (للثعالبی)، باب ۱۴، طبع عیسی البابی کا ص ۹۳ اور طبع تہران کا ص ۸۶۔

جگہ آیا ہے۔ البتہ اس مادہ سے ماخوذ اور مشتق متعدد کلمات (مفروض- فریضۃ وغیرہ) ۱۸ کے قریب مقامات پر آئے ہیں اور فعل مجرد سے مختلف صیغے ۹ جگہ وارد ہوئے ہیں۔ دوسرے لفظ

● "بِکْرٌ" کا مادہ "ب ک ر" اور وزن "فِعْلٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد زیادہ تر باب نصر سے آتا ہے اور اس میں بنیادی مفہوم "سویرا یا جلدی" کا ہوتا ہے مثلاً بَکَرَ یَبْکُرُ بُکُورًا کے معنی ہیں: "صبح سویرے چل پڑنا" اور "بکَرَ علیہ/الیہ (یعنی "علی" یا "الی" کے صلہ کے ساتھ) کا مطلب ہے "وہ صبح سویرے اس کے پاس آیا" اور "فی" کے صلہ کے ساتھ یعنی "بکر فیہ" کا مطلب ہے "کسی کام میں جلدی کرنا یا صبح سویرے اس میں مشغول ہو جانا" اور باب سمع سے "بکِرَ یبکَرُ بَکَرًا" کے معنی بھی "جلدی سے کرنا" ہیں۔ اس مادہ سے مزید فیہ کے بعض ابواب سے بھی فعل مختلف معنی کے لیے آتے ہیں تاہم قرآنِ کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کا کوئی فعل کہیں استعمال نہیں ہوا۔ قرآنِ کریم میں اس مادہ سے صرف چار کلمات بِکْرٌ، أَبْکار، الإبکار اور بُکرۃٌ کل بارہ جگہ آئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ زیر مطالعہ لفظ "بِکْر" ہے جس کے معانی پر ہم یہاں بات کریں گے باقی تین کلمات پر اپنے اپنے موقع پر بات ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● لفظ "بِکْرٌ" کے متعدد معنی ہیں مثلاً (۱) کنواری لڑکی (عذراء)، (۲) پہلا بچہ جننے والی عورت یا اونٹنی (۳) ماں باپ کا پہلا بچہ (بیٹی ہو یا بیٹا)، (۴) نوجوان گائے (جس کے ابھی بچہ ہوا ہی نہ ہو)۔ (۵) کوئی اچھوتا کام جس کی پہلے کوئی مثال موجود نہ ہو۔ وغیرہ۔

یہاں لفظ "بِکْرٌ" (جو صرف یہیں ایک جگہ آیا ہے) گائے کی صفت کے طور پر آیا ہے اور اس کا مطلب ہے "ایسی نوجوان گائے جس نے ابھی کوئی بچہ نہ جنا ہو" اور یہ سابقہ لفظ "فارض" (بوڑھی) کے مقابلے کا لفظ (ضد) ہے۔ خیال رہے یہ دونوں لفظ بظاہر مذکر ہیں مگر یہی دونوں لفظ مذکر کے علاوہ مؤنث کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں یعنی "بقرۃٌ فارض" (بوڑھی گائے) اور "بقرۃٌ بِکْرٌ" (نوجوان بچھیا)

● لفظ "فارض اور بکر" کی مندرجہ بالا وضاحت کی روشنی میں ہی اس عبارت "لا فارضٌ ولا بِکْرٌ" کا ترجمہ بنتا ہے "نہ بوڑھی اور نہ ہی نوجوان (گائے)" اور تراجم میں اسی کی بامحاورہ صورتیں "نہ بوڑھی نہ بیاہی"، "نہ بوڑھی نہ بن بیائی"، "نہ بوڑھی (ہو)، نہ بچھیا"، "نہ بوڑھی ہو نہ اوسر"۔ اختیار کی گئی ہیں۔

۲:۴۳:۱(۸) [عَوَانٌ بَیْنَ ذٰلِکَ] اس عبارت کے آخری حصہ (بَیْنَ ذٰلِکَ) کا ترجمہ ہے "اس کے درمیان"۔ اس میں "ذٰلِکَ" تو اسم اشارہ ہے۔ (بمعنی "وہ") اور "بَیْنَ" (جس کا ترجمہ "۔۔۔۔ کے درمیان" ہے) کے معنی اور طریقِ استعمال وغیرہ پر البقرہ: ۲۶ [۲:۴۲:۱(۵)] میں تفصیلاً بات

ہو چکی ہے۔

● ابتدائی لفظ "عَوَانٌ" کا مادہ "ع و ن" اور وزن "فَعَالٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "عان یعُون عُونًا" (نصر سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں عورت یا گائے کا (بڑھاپے اور جوانی کی) درمیانی عمر کو پہنچ جانا البتہ دونوں کے لیے مصدر الگ الگ آتا ہے عورت کے لیے کہتے ہیں "عانتِ المرأۃُ عَوْنًا" (عورت "عوان" ہو گئی) اور گائے کے لیے کہتے ہیں "عانتِ البقرۃُ عُؤُونًا" (گائے "عوان" ہو گئی)۔ قرآن کریم میں اس فعل مجرد کا کوئی صیغہ فعل تو کہیں نہیں آیا۔ البتہ مزید فیہ کے بعض ابواب (تفاعل۔ افعال اور استفعال) سے افعال آتے ہیں۔ باب استفعال کے استعمال و معنی پر الفاتحہ: ۵ [۱:۴:۱(۴)] میں بات ہوئی تھی۔

● زیر مطالعہ لفظ "عَوَانٌ" (جس کی جمع "عُوْنٌ" ہوتی ہے۔ اور جو قرآن کریم میں صرف اسی ایک جگہ آیا ہے) کے بنیادی معنی ہیں "آدھی عمر (جوانی) والی شے"۔ زیادہ تر یہ لفظ گائے یا عورت کے لیے ہی آتا ہے۔ اور یہ لفظ اسی طرح مؤنث کے لیے استعمال ہوتا ہے (عَوَانَۃٌ نہیں کہتے) مثلاً کہتے ہیں "الحربُ العوانُ" (ایسی جنگ جو کئی دفعہ لڑی جا چکی ہو) اور عرب کے بعض علاقوں میں "نخلۃٌ عوان" اونچی اور لمبی کھجور (درخت) کو کہتے ہیں۔

● اس طرح "بقرۃ عوان" کے معنی ہیں "گائے جو نہ بوڑھی ہو نہ چھوٹی (بچھڑی)"۔ اور "بَیْنَ ذٰلکَ" سے دراصل مراد ہے "بین ذٰلک و بین ذٰلک" "ایک" "ذٰلک" سے اشارہ "بڑھاپے کی طرف ہے اور دوسرے سے "نوجوانی" کی طرف (اس کے درمیان)۔ یعنی "بینَ فارض و بینَ بِکر" (بوڑھی اور جوان کے درمیان)۔ اسی لیے اردو مترجمین نے اس (عوان بین ذٰلک) کا ترجمہ "درمیان میں بڑھاپے اور جوانی کے"، "دونوں عمروں کے وسط میں ہو"، "دونوں میں بیچ کی راس"، "ان دونوں کے بیچ میں" کی صورت میں کیا ہے دراصل لفظی ترجمہ تو تھا "اس کے درمیان"۔ اس لیے یہ سب وضاحتی تراجم ہیں یعنی لفظ "عوان" کی وضاحت کی گئی ہے۔ بعض حضرات نے اردو محاورے کی بناء پر شروع میں "بلکہ" کا اضافہ کیا ہے جو دراصل (لا فارض و لا بکر والے) "نہ یہ نہ وہ" کے بعد والا "بلکہ" ہے یعنی "بلکہ دونوں عمروں کے درمیان" "بلکہ ان کے درمیان" کی صورت میں۔

[فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ] یہ جملہ تین کلمات یعنی "فافعلوا"، "ما" اور "تُؤمَرُوْنَ" پر مشتمل ہے۔ الگ الگ وضاحت یوں ہے:

"فافعلوا" کی ابتدائی "فاء (فَ)" عاطفہ سببیہ ہے بمعنی "پس، اس لیے"۔ اور اس کا با محاورہ (حسب

arrangements are a source of simmering tensions in the society.

4. A dispassionate review of subsidies on consumer goods in favour of zakah and other income support for deserving consumers.
5. A dispassionate review of production subsidies. Reforms along the above lines and the establishment of a comprehensive system for collection and disbursement of zakah cannot be delayed for too long. The elimination of riba, however, is not dependent on such reforms. On the contrary, it shall create an environment conducive for the long-overdue economic reforms in the country.

* * *

موقع) ترجمہ "اب" بھی کیا گیا ہے۔ "اِفْعَلُوْا" (جو خود اپنا "وزن" بھی ہے) "فعَل یفعَل" (کرنا، کر ڈالنا) سے فعل امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ اس فعل کے معنی و استعمال پر البقرہ: ۲۴ [۲:۱۷:۱(۱۱)] میں بات ہو چکی ہے اس طرح "فافعلوا" کا ترجمہ بنتا ہے "پس کرو تم" اور اسی کی بامحاورہ صورتیں ہیں۔ "اب کرو، اب کر ڈالو، تو کر لو، اب بجا لاؤ، اور "تو کرو"۔

● "مَا" تو موصولہ بمعنی "وہ جو کہ" ہے اور "تُؤْمَرُوْنَ" کا مادہ "ا م ر" اور وزن "تُفْعَلُوْنَ" ہے اس مادہ سے فعل مجرد "أمَرَ یأمُرُ" (حکم دینا) کے باب اور معنی و استعمال پر البقرہ: ۲۷ [۲:۱۹:۱(۱۶)] میں بات ہو چکی ہے۔ "تؤمرُون" اس فعل مجرد سے مضارع مجہول (جمع مذکر حاضر) کا صیغہ ہے جس کا لفظی ترجمہ تو ہے "تم حکم دیئے جاتے ہو" اور اسی کا ("مَا" سمیت) بامحاورہ ترجمہ "جو تم کو حکم ملا ہے"، "جو تم کو حکم دیا گیا ہے، جس کا تمہیں حکم ہوتا ہے، جو کچھ حکم تم کو ملا ہے" کی صورت میں کیا گیا ہے۔ آپ نے نوٹ کیا ہو گا کہ اکثر مترجمین نے یہاں (غالباً اردو محاورہ کی خاطر) "تؤمرون" (فعل مضارع) کا ترجمہ فعل ماضی قریب (قد أُمِرْتم) کی صورت میں کر دیا ہے۔

(جاری ہے)